بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور
مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ لاہور

اکتوبر 2018ء / محرم الحرام 1440ھ جلد نمبر 10، شمارہ نمبر 10

قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

فہرست مضامین

- منافقین؛ عقل کے اندھے
- اچھے اور برے حکمران
- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
- پاکستان میں گڈ گورننس کی خواہش اور زمینی حقائق
- حکمرانوں کی شاہ خرچیاں اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار
- انسانی زندگی کے چار ارتفاقات
- سلطان اورنگزیب عالمگیر کے اصولِ سیاست
- نئی حکومت؛ چند معاشی حقائق (2)
- یورپ کی مرکزی طاقتیں
- تاریخِ اسلام سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ
- فتنوں کے بارے میں مزاحمت کا شعور
- عقل و شعور کے ساتھ آزمائشوں سے گزر جانا اصل کمال ہے
- اسلام کے اجتماعی نظامِ فکر و عمل کو سمجھنے کی ضرورت و اہمیت
- حضرت مولانا عزیر گل کاکاخیلؒ
- افادات و ملفوظات حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
- تبصرہ ''برصغیر میں تجدیدِ دین کی تاریخ''
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا:

''کوئی سلطنت موجودہ دور میں اپنی بقا کے لیے جدید علوم و فنون سے ایک لمحہ صرف نظر نہیں کر سکتی، اور وہ علوم و فنون اَغیار سے سیکھنے ہوں گے۔ اور ان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے آج کل پوری قوم کو لگانا پڑتا ہے، تاکہ اس میں سے ایک معتد بہ (قابلِ ذکر) عنصر ماہرین کا اور باقی دوسرے مدارج (درجے کی ذمہ داریوں) کو پُر کرنے والے کافی تعداد میں نکل آئیں۔ صحبت کا اثر ایک لازمی امر ہے تو یورپ میں سیکھنے جانے سے جیسے تُرک اب وہ تُرک نہیں رہے، بلکہ اسلام کے قوانین کو بالائے طاق رکھنے والے تُرک ہو گئے، جن کو ہم فتویٰ کی رُو سے کافر اور غیر مسلم تو نہیں کہہ سکتے، مگر اسلامی تعلیم و تربیت کا (شعوری) اشتغال و (عملی) اِنہماک نہ رہنے کی وَجہ سے اب اسلام ان میں جتنا رہ گیا ہے، وہ ظاہر ہے۔ اسی طرح اَوروں (دیگر اقوام) کو بھی کرنا پڑے (پڑ جائے) گا۔''

(مجلس: ۳۰ر ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ/ 25ر نومبر 1946ء، بروز: سوموار۔ مقام: نظام الدین، دہلی)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 226، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

منافقین؛ عقل کے اندھے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (2:14-15)

(اور جب ملاقات کرتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں: بے شک ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ ہم تو (مسلمانوں سے) ہنسی کرتے ہیں۔ اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے اور ترقی دیتا ہے اُن کو اُن کی سرکشی میں۔ (اور) حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں۔)

گزشتہ کئی آیات سے منافقین کی خرابیاں بیان کی جارہی ہیں۔ ان آیات میں بتلایا جارہا ہے کہ منافقین عقل کے اندھے اور دوُرخے پن کا شکار ہیں۔ وہ ایمان کے دعوے دار بھی ہیں اور اپنے شیطان سرداروں اور رہنماؤں کے ساتھ بھی ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کے اس دوغلے پن کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ: یعنی جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اور مسلمانوں کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور قرآن حکیم کی تعلیمات سے ظاہری طور پر وابستگی کا اظہار کرتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کی حکومت سے جو دُنیاوی مفادات اٹھائے جاسکتے ہیں، اٹھالیے جائیں۔ نبی اکرمؐ کی مدینہ منورہ میں قائم حکومت میں امن وامان کے ساتھ رہنے کے لیے وہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بہ ظاہر مسلمان جماعت کا حصہ بن کر مالی فوائد سمیٹنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ: اور جب اپنے شیطان صفت سرداروں اور متکبر رہنماؤں کے پاس جاتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ ان سرداروں سے بھی مفادات اٹھاتے ہیں اور ان کے لیے جاسوسی کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے طریقے اور حیلے سوچتے رہتے ہیں۔ اس طرح مکروفریب کے ساتھ شیطانوں کی شیطنت کے پھیلاؤ کے لیے بھی کام کرتے ہیں۔ جب وہ پوچھتے ہیں کہ تم نے تو اسلام کا اظہار کیا ہے، مسلمانوں سے کس لیے ملتے ہو؟ تو کہتے ہیں کہ:

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝: ہم اُن کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ کسی کی باتوں کی ظاہری طور پر تائید کر کے اُسے بے وقوف بنا کر ہنسی مذاق کرنا، استہزا کہلاتا ہے۔ وہ اپنے خیال میں اسلام کے عقائد، تعلیمات اور اُس کی حکومت و سیاست کا مذاق اُڑا رہے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ان شیاطین سرداروں سے کہتے ہیں کہ ہم جو مسلمانوں سے ظاہری طور پر موافقت کرتے ہیں، اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم حقیقت میں ان کے ساتھ ہیں۔ ہم تو اُن سے تمسخر کرتے ہیں اور ان کی بے وقوفی سب پر ظاہر کرتے ہیں۔ باوجودیکہ مسلمان ہمارے افعال، ہمارے اقوال کے مخالف ہیں، مگر وہ اپنی بے وقوفی سے صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھتے اور ہمارے مال واولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے اور مالِ غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں۔ ہم ان کے راز کی باتیں اُڑا لاتے ہیں۔ وہ اس پر بھی ہمارے فریب کو نہیں سمجھتے۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے ہنسی مذاق کر رہا ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک وقت تک منافقین کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ اور ان کے جان و مال کے درپے نہ ہونے کا کہا ہے۔ منافقین اپنی حماقت سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ ایمان لانے سے مسلمانوں کے سب فوائد ہم کو بھی صرف زبانی اظہارِ اسلام سے حاصل ہوگئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ منافقین قرآن حکیم کے سچے پیغام کو نہ مان کر بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ اس کا دنیا اور آخرت میں انجام نہایت خراب نکلے گا۔ اب انصاف کی نظر سے دیکھیں تو حقیقت میں مسلمانوں کا مذاق اڑانا ہوا یا منافقین کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ اس کی مزید حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا گیا:

وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝: اللہ تعالیٰ ان کی سرکشی کی رسّی کو ڈھیل دے رہا ہے۔ اس سے ان کی سرکشی اور خرابی مزید بڑھ رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب لوگ بدنیتی کے ساتھ کوئی عمل کرتے ہیں اور انھیں اپنے فکر وعمل کی خرابی اور دوغلے پن کا احساس نہیں ہوتا، وہ اُسی میں مزید آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ اب خواہ وہ بہ ظاہر اپنے آپ کو بڑا عقل مند سمجھیں کہ وہ بہ یک وقت دو جماعتوں کو دھوکا دے کر دنیاوی مفادات اٹھا رہے ہیں، لیکن حقیقت میں کوئی بھی جماعت ایسے لوگوں پر پورا اعتماد نہیں کرتی۔ انھیں ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ جب یہ ایک جگہ دھوکا دے سکتے ہیں تو ہمیں بھی دھوکا دیں گے۔ دنیا میں صرف وہی جماعت کامیاب ہوتی ہے، جس کے افراد اپنے ظاہر و باطن میں ایک ہوتے ہیں۔ اُن کے تمام اقوال و افعال پوری یکسوئی کے ساتھ ایک جماعت کے ساتھ وابستہ ہوجاتے ہیں۔ دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے والے کچھ دیر کی خوشی منا سکتے ہیں۔ ہنسی مذاق کی ظاہری لذت حاصل کر سکتے ہیں، لیکن اس کا نتیجہ اُن کے لیے انتہائی نقصان دہ اور خرابی کا باعث بنتا ہے۔ یہی اُن کی عقل کا اندھا پن ہے۔ کسی انسان کی عقل اور شعور، دوراندیشی پر مبنی حقیقت کا ادراک نہ کر سکے تو اسے ''عَمَہ'' یعنی ''عقل کا اندھا'' کہا جاتا ہے۔ یہی کچھ ان کا معاملہ ہے۔

وہ ایک طویل عرصے سے مسلمانوں کے عقائد اور اعمال بہ ظاہر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر وہ پوری توجہ دے کر دین کے اعمال و اقوال سمجھ لیتے تو گمراہی سے نکل جاتے، لیکن معاملہ اُلٹا ہے کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور نبی اکرمؐ کی رسالت کا بہ ظاہر اقرار کرتے ہیں اور آپؐ کی حکمرانی کو بھی مانتے ہیں، لیکن گمراہی سے نہیں نکلتے۔ اُن کا اس کے باوجود گمراہی میں بڑھتے چلے جانا اُن کے استہزا اور تکبر کی سزا ہے۔ اس سے بڑا عقل کا اندھا پن اَور کیا ہوسکتا ہے کہ ایک صحیح اور سچی تعلیم سامنے آنے کے باوجود اُسے اپنایا نہ جائے۔ اور انسانیت کی ترقی کے پروگرام کو قبول نہ کیا جائے۔ اس سے صاف واضح ہوگیا کہ اُن کا قرآن کی تعلیم سے متأثر نہ ہونا اُن کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہے، نہ کہ قرآن حکیم کی تعلیم میں کسی کمی کی وجہ سے ہے۔ یہی منافقین کی عقل کا اندھا پن ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

اچھے اور برے حکمران

عن ابي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "إذا كان امراؤكم خياركم، و اغنياؤكم سمحاءكم، و اموركم شوریٰ بينكم، فظهر الأرض خيرلّكم من بطنها. و إذا كان امراؤكم شراركم، و اغنياؤكم بخلاءكم، و اموركم إلٰى نسائكم، فبطن الأرض خيرلّكم من ظهرها." (ترمذی، حديث 2266)

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمھارے حاکم تم میں سے بہترین لوگ ہوں، تمھارے دولت مند سخی اور فراخ دل ہوں اور تمھارے کام آپس میں مشورے سے طے پاتے ہوں تو زمین کی پشت تمھارے لیے اس کے پیٹ سے بہتر ہے۔ اور جب تم میں سے شریرترین لوگ تمھارے حاکم ہوں، تمھارے مال دار بخیل اور تنگ دل ہوں اور تمھارے کام (مشورے کے بغیر صرف) عورتوں کے ہاتھ میں چلے جائیں تو تمھارے لیے زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔'')

آپ ﷺ نے اچھی اور بری حکمرانی کی پہچان اور ان کی تین شرائط بیان کی ہیں:

1۔ معاشرے کے بہترین لوگ اپنے عمدہ اَخلاق کی بنا پر حکمران ہوں۔
2۔ صاحبِ ثروت لوگوں میں سخاوت اور مال کو تقسیم کرنے کا جذبہ ہو۔
3۔ قومی اور ملکی اُمور کو مشاورت کے ساتھ حل کیا جاتا ہو۔

ایسی فضا بہترین معاشرے کی نشان دہی کرتی ہے۔ ایسے معاشرے میں زندگی گزارنا اللہ کی بڑی نعمت اور موت سے بہتر ہے۔ اور اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہو کہ:

1۔ معاشرے کے شریر اور بدترین لوگ حکمران بن جائیں۔
2۔ صاحبِ ثروت لوگ، سرمایہ پرست، استحصال پسند اور عیاش ہو جائیں۔
3۔ مشاورت کے بجائے آمریت ہو۔ حکمرانوں کی پُرتعیش سوچ اور کردار کی وجہ سے خواتین بلاشرکتِ غیرے بااختیار اور بالادست ہو جائیں تو ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔

آج ہماری قومی زندگی میں دوسری صورتِ حال ہے۔ اس کے بارے میں قرآن حکیم نے کہا کہ: ''جب اللہ کسی قوم سے ناراض ہوتے ہیں تو وہاں فاسق و فاجر اور بدترین (ظالم) لوگ حکمران بن جاتے ہیں۔ وہ گناہوں اور تباہی و بربادی کو عام کر دیتے ہیں۔'' (16:17) ایسے حالات میں اچھے لوگ سیاسی عمل میں آنا پسند نہیں کرتے۔ جو صاحبِ ثروت ہیں، ان کا ایک ہی مطمحِ نظر ہے کہ مال و دولت میں اضافہ کیسے کیا جائے۔ جب کہ تیسری شرط (نظامِ حکومت میں مشاورت) پہلے ہی درجے میں منفی رُخ پر ہے کہ موجودہ انتخابی فضا میں وہ آدمی انتخاب لڑنے کا سوچے، جس کے پاس بے پناہ دولت ہو اور انتظامی مشینری میں اَثر و رسوخ ہو۔ گویا خودکار نظام کے تحت 90 فی صد سے زائد لوگ مشاورتی عمل سے باہر کر دیے جاتے ہیں۔ ووٹر کو یہ اختیار بھی نہیں دیا جاتا کہ اگر وہ کسی بھی نمائندے پر اعتماد نہ کرے تو اس کا ووٹ (رائے) شمار میں آئے۔ اس لیے یہ حدیثِ مبارکہ ہمیں حکمرانی اور سیاست کے اصولوں پر ازسرِنو غور و فکر اور اس میں حقیقی تبدیلی لانے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ کا لقب ''مُعَلِّمُ الاُمّت'' اور ''فَقِیہُ الاُمّت'' ہے۔ آپؓ ''السّابقون الأوّلون'' میں سے ہیں۔ دارِارقم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام سے پہلے پندرہ بیس سال کی عمر میں آپؓ نے چھٹے نمبر پر اسلام قبول کیا۔ آپؓ نے نبی کریم ﷺ سے انتہائی محبت اور خدمت گزاری میں وقت گزارا۔ طبعاً نہایت سنجیدہ اور عالمانہ وقار کے حامل تھے۔ آپؓ کسی کا مذاق و تمسخر اُڑانے اور عیب جوئی کو بہت برا سمجھتے تھے۔ آپؓ فرماتے کہ: ''میں اس شخص کو ناپسند کرتا ہوں، جو بے کار رہے۔ نہ دین کا کام کرے اور نہ دنیا کا۔'' نبی کریم ﷺ نے ایک ملاقات میں آپؓ سے فرمایا: ''تم سکھلانے والے نوجوان ہو۔'' آپؓ اوّل تا آخر خدمتِ نبوت کے حاضر باش خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں۔ آپؓ نے تعلیم و تربیت کے سارے مراحل براہِ راست فیضِ نبوت سے حاصل کیے اور دینی فقاہت میں جماعتِ صحابہؓ میں بلند مرتبے پر فائز ہوئے۔ حصولِ علم اور اس کی نشر و اشاعت میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ہم پلہ سمجھے جاتے۔ نبی کریمؐ نے آپؓ سے فرمایا تھا کہ: ''ابنِ مسعود! تم بلا اجازت پردہ اٹھا کر مجلس میں آسکتے ہو اور ہماری ہر بات سن سکتے ہو۔'' آپؓ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شامل رہے اور حضورؐ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد معرکۂ بدر سے قبل ہی حبشہ سے مدینہ پہنچ گئے۔ حضورؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی۔ بدر میں ابوجہل کا سرتن سے جدا کیا۔

حضور اقدسؐ نے حضرت ابن مسعودؓ کو قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کی اجازت دی اور فرمایا: ''لوگو! قرآن چار لوگوں سے سیکھو۔ ان میں ابن مسعودؓ پہلے نمبر پر ہیں۔'' مدینہ میں آپؓ کا بھائی چارہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ ہوا۔ تمام معمولات، فرائض، سنن اور نوافل کی پابندی کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ: ''اسلام لانے کے بعد کبھی نمازِ چاشت قضا نہ ہوئی۔'' طلوعِ آفتاب تک ذکر میں مصروف رہتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ علمی و انتظامی دونوں قسم کی صلاحیتوں سے متصف تھے۔ ۲۰ ہجری میں حضرت عمرؓ نے آپؓ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ علاوہ ازیں بیت المال کی ذمہ داری، تعلیم و تربیت اور دینی رہنمائی کا منصب بھی ان کے سپرد تھا۔ آپؓ نے مسلسل دس سال اس انہماک کے ساتھ علمی و انتظامی فرائض سرانجام دیے کہ کوفہ، مکہ اور مدینہ کے ساتھ تیسرا ''دارالعلم'' بن گیا۔ اپنی انھی خدمات کی بنیاد پر آپؓ کوفہ میں ہر دل عزیز شخصیت تھے۔ کبھی کسی نے دربارِ خلافت میں آپؓ کی شکایت نہ کی۔ حضرت علیؓ کی وہی روایات اہلِ علم کے ہاں قبول ہیں، جو حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردوں سے مروی ہیں۔ ''مِشکٰوۃُ المَصابِیح'' کے مصنف کے نزدیک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خصوصی فضیلت یہ ہے کہ چاروں خلفائے راشدینؓ نے آپؓ سے حدیث روایت کی ہے۔''

آپؓ نے ستر برس کی عمر میں وفات پائی۔ آپؓ کی نمازِ جنازہ ۳ جمادی الاولیٰ ۳۳ ہجری بروز جمعرات کو حضرت عثمانؓ نے پڑھائی اور آپؓ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

www.rahimia.org

پاکستان میں گڈ گورننس کی خواہش اور زمینی حقائق

پاکستان میں گڈ گورننس کے حوالے سے بے شمار سوالات زیرِ گردش ہیں۔ لوگ ہمیشہ اس بات پر فکرمند رہے ہیں کہ عوام میں عدمِ تحفظ، خوف و ہراس، بے یقینی اور ان کے بنیادی حقوق کے بارے میں ان کی مایوسی کو کیسے دور کیا جائے؟ وہ اچھی حکمرانی کی خواہش بھی رکھتے ہیں، لیکن ایسے لوگوں کی اکثریت ملکی مسائل کے حل کے لیے موجودہ سیاسی عمل سے باہر سوچنے کی عادی نہیں۔ وہ ملک میں طویل مارشل لاء اَدوار کے ردِعمل کے نتیجے میں موجودہ ظاہری طور پر جمہوری سیاسی عمل، بیوروکریسی اور اس سے وابستہ طبقوں کی بہت سی بنیادی خرابیوں اور خامیوں سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے اسی انتظامیہ کے ہوتے ہوئے سیاسی عمل سے جڑے رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ اور معمولی تبدیلیوں پر بار بار اسی بوسیدہ نظام کے آلۂ کار مُہروں سے بہت سی امیدیں لگا بیٹھتے ہیں۔

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ پاکستانی سیاست ہمیشہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے قبضے میں رہی ہے۔ اور یہی لوگ مختلف سیاسی پارٹیوں پر قابض اور بیوروکریسی کے اتحادی چلے آرہے ہیں۔ اقتدار ہر صورت میں انھیں کے گھر کی لونڈی رہتا ہے۔ یہ اِدھر سے اُدھر پارٹیاں بدلتے رہتے ہیں، لیکن سماج اور سیاست پر اپنی گرفت ڈھیلی نہیں ہونے دیتے۔ معاشرے پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے طاقت کا غلط استعمال، قانون کا دوہرا معیار، اقربا پروری اور کرپشن اس نظام کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔ نظام پر قبضے اور بیوروکریسی سے ملی بھگت کے نتیجے میں پورا انتظامی ڈھانچہ نااہلی پر مبنی نکمّوں، رشوت خوروں کے ٹولے میں بدل چکا ہے۔ حکومتوں اور ریاستی اداروں پر اس طبقے کے قبضے نے معاشرے میں مایوسی اور انتقام کی ایک عجیب سی فضا قائم کر رکھی ہے۔

پاکستان کے پسے ہوئے عام طبقے کے خلاف روا رکھے جانے والے سلوک کے خلاف جب کوئی بات کرتا ہے تو عوام اس طرف کھنچے چلے جاتے ہیں، لیکن ہماری سیاست کے اس بنیادی عامل کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے کہ آخر کار سیاسی زمامِ کار کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور گزشتہ ستر سالوں میں معاشرے کی مڈل کلاس سیاست میں اپنی کوئی جگہ کیوں نہیں بنا سکی؟ اور دن بہ دن اسی طبقے کا بہروپ بدل بدل کر ملک کے مقدر سے کھیلنا ہمیں کس انجام سے دوچار کر دے گا؟

مڈل کلاس اور معاشرے کی نچلی سطح سے قیادتوں کے نہ ابھرنے کا بنیادی سبب ہماری سیاست میں سرمائے کا کردار ہے۔ موجودہ سیاسی عمل میں جس بے تحاشہ انداز سے سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے، اس میں مڈل کلاس کا کوئی فرد اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے مواقع مفقود پاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ردِعمل اور خواہشات کی نفسیات سے نکل کر قائم نظام میں سرمائے اور بیوروکریسی کے کردار کو سمجھا جائے۔ اور اس پر نظریاتی اور اکیڈمک بحث کے ذریعے معاشرے کے باصلاحیت طبقے کو متوجہ کیا جائے، تاکہ وہ اپنی صلاحیت کو درست اور سائنٹفک طریقے پر بروئے کار لا کر قوم کو اس بھنور سے نکال سکے۔

حکمرانوں کی شاہ خرچیاں اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار

حکومتوں کے لیے سادگی اور کفایت شعاری کی جتنی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، حکمران طبقے اتنے ہی زیادہ شاہ خرچ واقع ہوتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی جماعت خلفائے راشدینؓ نے سادہ طرزِ زندگی کو اپنا شعار بنا کر حکمرانوں کے لیے بہترین نمونہ چھوڑا ہے، لیکن سرمایہ دارانہ طرزِ حکومت کے حامل معاشروں کے حکمران' مسلمان کہلانے کے باوجود شاہ خرچیوں میں دنیا کے بدترین حکمرانوں کا نمونہ ہوتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی روایت پاکستان کے حکمرانوں کے لائف سٹائل کی رہی ہے۔ ان کے عوام خواہ غربت وفلاکت اور تنگی وعسرت کی زندگی گزار رہے ہوں، لیکن وہ اپنے ٹھاٹھ باٹھ میں فرق نہیں آنے دیتے۔ آج کل ہمارے میڈیا پر سابقہ حکمرانوں کا مُسرِفانہ طرزِ زندگی اکثر موضوعِ بحث رہتا ہے۔ اور موجودہ حکومت کا اس پر بہت زیادہ زور ہے اور کچھ اس طرح باور کروایا جا رہا ہے کہ پہلی بار کسی نے حکمرانوں کی شاہ خرچیوں کی طرف قوم کی توجہ دلائی ہے۔

حال آں کہ اس خطے کے سماجیات و دینیات کے عظیم انقلابی رہنما امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے آج سے کم وبیش تین سو سال قبل حکمرانی کے اصولوں کو زیرِ بحث لاتے ہوئے دور کے تقاضوں کے مطابق ایسی درست رہنمائی فرمائی ہے کہ زمانے اور وقت کے کتنے ہی سنگ ہائے میل گزر جانے کے باوجود آج بھی ان کی تازگی برقرار ہے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ: ''اسٹیٹ کے سربراہِ کار کی وہ حیثیت ہے، جو کسی وقف کے متولی کی ہوتی ہے۔ وقف کا متولی اگر ضرورت مند ہو تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے کہ عام باشندۂ ملک کی طرح زندگی گزار سکے۔'' ایسے ہی ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''وہ شاہانہ زندگی، جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کی عیش وعشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو، اس کو ختم کر کے عوام کو اس مصیبت سے نجات دلائی جائے۔'' ایسے ہی فرمایا: ''بدقسمتی سے اہلِ ثروت اور حکمران طبقے میں عیش، فیشن اور اقتدار پرستی اور ایک دوسرے کے مقابلے میں تفاخر کا مرض پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس پر فخر ہونے لگا کہ کس کا تاج زیادہ قیمتی ہے اور کس کے تاج میں زیادہ جواہر ٹکے ہوئے ہیں۔ نئے نئے فیشن، امیرانہ شان وشوکت اور شاہانہ تکلّفات نے سوسائٹی کا مزاج بگاڑ دیا، جس کے نتیجے میں حکمران طبقے مزدوروں اور کسانوں پر بھاری ٹیکس لگا کر ان کا خون چوسنے لگے۔''

یہی نہیں، بلکہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بھی عیش وعشرت اور شاہانہ تکلّفات کے خاتمے کو قرار دیتے ہیں، جس کا نمونہ اُس زمانے کی قیصر وکسریٰ کی حکومتیں تھیں۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے زمانے کے حکمرانوں کو تعیّشات میں قیصر وکسریٰ کے مشابہ قرار دیا ہے۔ ہمارے یہ سیاسی بزرجمہر اب جا کر سماجی مرض کی چند علامات کی تشخیص کر پائے ہیں۔ علاج کے بارے میں تو ٹامک ٹوئیاں ہی مار رہے ہیں۔ شاہ صاحب کی تشخیص سے ہی نہیں، بلکہ تیر بہدف علاج سے رہنمائی وقت کی ضرورت ہے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

انسانی زندگی کے چار اِرتفاقات

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ'' میں فرماتے ہیں:

''گزشتہ بیان کردہ امور پر بصیرت رکھنے والا آدمی یہ گواہی دے گا کہ مختلف شہروں میں اختیار کردہ بہت سی سہولیات اور ارتفاقات ہمارے بیان کردہ طریقۂ کار کے مطابق وجود میں آئے۔ اس پر کافی صدیاں گزریں اور انسان ہمیشہ ان پر عمل کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے ہونے والے الہامات اور انسانی تجربات کی تائید سے وجود میں آنے والے (ارتفاقات پر مبنی) علوم کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا۔ انسانی نفوس ان پر پختہ ہوگئے۔ اب اُن کا جینا اور مرنا انھیں علوم کی بنیاد پر ہونے لگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسے ضروری الہامات اور ان کے ساتھ دیگر تین انسانی خصوصیات (رائے کلی، حبِ جمال اور مادۂ ایجاد وتقلید) کے مجموعے سے وجود میں آنے والے علوم کی انسانی زندگی میں ایسی ہی حیثیت ہے، جیسا کہ انسان کے جسم میں آنے والے سانس کی ہے کہ اصل سانس انسانی حیات کے لیے ضروری حیثیت رکھتا ہے، جیسا کہ نبض کی حرکت وغیرہ، لیکن سانس کا چھوٹا بڑا ہونا ہر انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔

چوں کہ مذکورہ بالا تینوں انسانی خصوصیات تمام انسانوں میں یکساں حیثیت نہیں رکھتیں، اس لیے کہ لوگوں کے مزاجوں اور اُن کی عقلی سطح میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور یہی انسانی مزاج اور اس کی عقل دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ جو رائے کلی (مفادِ عامہ)، حُبِّ جمال اور نئے ارتفاقات کی ایجاد اور اُن کی تقلید پر اُبھارنے کا سبب ہوتی ہیں۔ نیز تمام لوگوں کو نظر وفکر کے لیے یکساں طور پر فراغت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ اور اسی طرح کے دیگر اسباب کی وَجہ سے ارتفاقات کے دو دائرے (اور چار اقسام) ہیں:

(۱) ارتفاقات کی پہلی حد وہ ہے کہ جن سے انسانی معاشروں کی چھوٹی سے چھوٹی اجتماعیت کے لیے بھی الگ رہنا ممکن نہیں۔ مثلاً ایسے لوگ جو دیہاتوں میں رہتے، یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرتے، یا مہذب اور بڑے ممالک سے دور دراز علاقوں میں بستے ہیں۔ یہ وہ حد ہے، جس کا نام ہم نے ''ارتفاقِ اوّل'' رکھا ہے۔

(۲) ارتفاقات کی دوسری حد وہ ہے، جس پر مہذب ممالک کے تمام اہلِ شہر اور آباد علاقوں کے رہنے والے عمل کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہاں اعلیٰ اَخلاق کے حامل اور حکمت اور سائنس کے ماہر افراد پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے کہ ایسے مہذب علاقوں میں انسانی اجتماعات کی کثرت ہوتی ہے۔ وہاں انسانی حاجات اور ضروریات بڑھتی رہتی ہیں۔ اور انسانی تجربات میں کثرت سے اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ارتفاقات کو پورا کرنے کے بڑے اچھے طریقے اور قوانین وجود میں آجاتے ہیں۔ اور لوگ انھیں مضبوطی سے اپناتے ہیں۔ ارتفاقات کی اس دوسری حد کا اعلیٰ حصہ وہ ہوتا ہے، جسے کامل درجے کی معاشی رفاہیت رکھنے والے حکمران طبقے اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے پاس دنیا بھر سے مختلف کاموں کے ماہرین اور حکما آتے رہتے ہیں اور وہ اُن کے لیے عمدہ اور بہتر طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں، اس کا نام ہم نے ''ارتفاقِ دوم'' رکھا ہے۔

(۳) جب ارتفاقِ دوم مکمل ہوجاتا ہے تو اس کے نتیجے میں ''ارتفاقِ سوم'' وجود میں آتا ہے۔ اس لیے کہ جب لوگوں کے درمیان معاملات گردش کرتے ہیں اور اُن میں حسد، بخل اور مالی لین دین میں ٹال مٹول اور انکار پیدا ہوتا ہے تو ان کے درمیان باہمی اختلافات اور جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اُن میں بعض ایسے لوگ غالب آجاتے ہیں، جن پر پست سطح کی خواہشات اور شہوات کا غلبہ ہوتا ہے، یا جنھیں قتل وغارت گری کی جرأت ہوجاتی ہے۔ چوں کہ ارتفاقات سب لوگوں کے مشترکہ نفع پر مشتمل ہوتے ہیں، اس لیے برابر سطح کے لوگ ان اختلافات اور جھگڑوں کو نمٹانے اور ظالموں کو سیدھا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، یا اُن کے لیے ایسا کرنا آسان نہیں ہوتا، یا اس کام کے لیے عام لوگ تیار نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں ایسے مضبوط حکمران اور حکومت کی ضرورت ہوتی ہے، جو اُن کے درمیان عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کرے۔ (وہ اپنی حکومتی قوت کے ذریعے) انسانی معاشروں کے دشمن عناصر کی سرکوبی کرے۔ قتل کی جرأت کرنے والوں کا مقابلہ کرے۔ مال داروں سے ٹیکس وصول کرے اور انسانی سوسائٹی کے فائدے کے مصارف میں انھیں خرچ کرے۔

(۴) ارتفاقِ سوم، ''ارتفاقِ چہارم'' کو لازم قرار دیتا ہے۔ اس لیے کہ جب ہر ملک کی اپنی ایک حکومت وجود میں آجاتی ہے۔ وہ اپنے لیے مالی وسائل اکٹھا کرلیتی ہے۔ اُس کی طاقت ور فوجی قوت اُس کی پشت پناہ بن جاتی ہے۔ تو پھر ان ممالک کے درمیان بخل، حرص اور کینہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ممالک کے درمیان جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے سے جنگیں لڑتے ہیں۔ ایسی صورت میں انھیں مجبور ہوکر (ایک بین الاقوامی حکومت اور) خلیفہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ تمام ممالک کو اپنے زیرِ فرمان بنائے۔ خلیفہ سے میری مراد یہ ہے کہ جسے ایسی شان وشوکت حاصل ہو کہ جس کی طاقت اور قوت کو کوئی دوسرا حکمران چھین نہ سکے۔ سوائے اس کے کہ بہت بڑی فوجی قوت جمع ہوجائے، بہت زیادہ مال خرچ کیے جائیں اور بہت طویل عرصے تک اس کے خلاف جدوجہد کی جائے، تب کہیں جاکر اس کا مقابلہ کیا جانا ممکن ہو۔

[فائدہ] کسی معاشرے میں موجود افراد اور اُن کی عادات کے مختلف ہونے کی وَجہ سے حکومت کی نوعیت بھی تبدیل ہوجاتی ہے۔ جس قوم کے افراد کی طبیعتوں میں جس قدر سخت مزاجی اور تیزی ہوتی ہے، انھیں اسی قدر ایک مستحکم حکومتی نظام کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ بہ نسبت ان قوموں کے کہ جن میں بخل اور باہمی دشمنیاں کسی قدر کم ہوتی ہیں۔

ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان چاروں ارتفاقات کے بنیادی اصول اور ہر ارتفاق کے ابواب کی ایسی فہرست ہم تمھارے سامنے رکھیں، جنھیں اعلیٰ اَخلاق کے حامل تمام مہذب ممالک کے افراد نے عقلی بنیادوں پر مرتب کیا ہے۔ اور وہ ایک مُسلَّم قانون اور ضابطے کی صورت اختیار کرگئی ہیں۔ ان میں قریبی ممالک یا دور دراز کے ممالک کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چناں چہ جو کچھ ہم آپ کے سامنے بیان کریں، اُسے توجہ سے سنیے!۔''

(باب كيفية استنباط الارتفاقات، مبحث الثالث: مبحث الارتفاقات)

سلطان اورنگزیب عالمگیر کے اصولِ سیاست

مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

ایک انگریز سیاح ڈاکٹر برنیئر' سلطان اورنگزیب عالمگیر کے حوالے سے لکھتا ہے:

''ایک بڑے عہدے دار نے جو کہ اورنگ زیب کی انتظامیہ سے وابستہ تھا، اورنگزیب عالمگیر سے کہا کہ: حضور! جو عوام کی خدمت کے کام میں اس قدر محنت فرماتے ہیں، اس سے اندیشہ ہے کہ صحتِ جسمانی بلکہ قوائے دماغی کو ضعف پہنچے۔ جس کو سن کر اورنگ زیبؒ نے ایک اَور عہدے دار کی جانب، جو نہایت دانا اور ذی علم تھا، متوجہ ہو کر فرمایا کہ: ''آپ تمام اہلِ علم اس باب میں متفق ہیں کہ مشکل اور خوف کے زمانے میں حکمران کو جان جوکھوں میں پڑ جانا اور ضرورت کے وقت ملک کے عوام کی بہتری کے لیے جو خدا نے اس کے سپرد کی ہے، تلوار پکڑ کر میدانِ جنگ میں جان دے دینا فرض و واجب ہے، مگر اس کے برعکس یہ نیک اور باتمیز شخص یہ چاہتا ہے کہ عوام کے آرام اور آسائش کے لیے مجھے ذرا بھی تکلیف نہ اٹھانی چاہیے۔ اور اس کی یہ رائے ہے کہ میں صرف اپنی تندرستی کو مقدم جانوں اور آرام و آسائش میں مصروف رہوں۔ اور اس کا یہی نتیجہ ہو سکتا ہے کہ میں اس وسیع سلطنت کے کام کو کسی وزیر کے بھروسے پر چھوڑ بیٹھوں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ جس حالت میں مجھے خدا نے حکمران خاندان میں پیدا کر کے امورِ سلطنت کی ذمہ داری دی ہے تو دنیا میں اپنے ذاتی فائدے کے لیے نہیں بھیجا، بلکہ اَوروں کے آرام کے لیے محنت کرنا مجھ پر فرض کیا گیا ہے۔

پس میرا کام یہ نہیں ہے کہ اپنی ہی آسائش کی فکر کروں، بلکہ عوام کی آسائش و بہبود ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی فکر مجھے ہونی چاہیے۔ مگر یہ شخص اس بات کی تہہ کو نہیں پہنچا کہ اس آرام سے جو یہ میرے لیے تجویز کرتا ہے، کیا کیا قباحتیں پیدا ہوں گی۔ اور یہ بھی اس کو نہیں معلوم کہ دوسروں کے ہاتھ میں حکومت کا دے دینا کتنی بُری بات ہے۔ اور شیخ سعدیؒ نے یہ جو کہا ہے کہ: ''حکمرانوں کو چاہیے کہ بذاتِ خود امورِ سلطنت کی انجام دہی کی ذمہ داری کا بوجھ اپنے اوپر لیں، ورنہ بہتر ہے کہ حکمران کہلانا چھوڑ دیں۔'' تو کیا اس عظیم مفکر کا یہ قول لغو ہے؟ پس اپنے اس دوست سے کہہ دیجیے کہ اگر ہم سے تحسین و آفرین حاصل کرنا چاہتا ہے تو جو کام اس کے سپرد ہے، اس کو اچھے طور سے کرتا رہے۔ اور خبردار! ایسی صلاح جو حکمران کے سننے کے لائق نہیں ہے، پھر کبھی نہ دے۔ اور افسوس ہے کہ تن پروری اور آرام طلبی اور ایسے خیالات سے جو دوسروں کے فلاح و بہبود کے فکر و تردد میں آدمی کو گھلا ڈالتے ہیں، بچنے کی خواہش انسان کی طبعی اور جبلی کمزوری ہے۔ پس ایسے فضول صلاح کاروں کی ہمیں حاجت نہیں۔ عیش و آرام کے مشورے تو ہماری بیگمات بھی دے سکتی ہیں۔''

(شاہجہان کے ایامِ اسیری اور عہدِ اورنگزیب عالمگیر، از ڈاکٹر برنیئر، ص202، ناشر: نفیس اکیڈمی، کراچی)

یہ واقعہ ہمیں اپنے دور کے مقتدر طبقے (مقننہ، انتظامیہ (بیوروکریسی) عدلیہ) کی سوچ اور عمل و کردار پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

نئی حکومت: چند معاشی حقائق 2

گزشتہ ماہ موجودہ نئی حکومت کے سامنے چند معاشی حقائق رکھے گئے تھے۔ ان حقائق کی روشنی میں کچھ محدود وقتی فیصلے ایسے ہیں، جن پر کچھ کام کرنا ہوگا۔ ان میں مزید کچھ حقائق درجِ ذیل ہیں، جن پر توجہ دینے کی ضرورت ہے:

1۔ پاکستان کی برآمدات سے متعلق صنعتیں، جن میں خصوصاً کپڑے، چمڑے اور زرعی اصناف شامل ہیں، گزشتہ پانچ سالوں میں تدریجاً مشکلات سے دوچار ہوئی ہیں۔ ان مشکلات میں زیادہ کا تعلق پالیسی، کرنسی ریٹ اور انفراسٹرکچر سے ہے۔ موجودہ حکومت ٹیکس میں برآمدی مصنوعات پر چھوٹ سے متعلق ادائیگیوں کے ذریعے اور بالخصوص ان صنعتوں کو بجلی کی بلاتعطل فراہمی کو ممکن بنا کر نہ صرف برآمدات میں اضافہ کر سکتی ہے، بلکہ ہزاروں بے روزگار جو انھیں صنعتوں سے ماضی قریب میں نکالے گئے، کو دوبارہ روزگار فراہم کر سکتی ہے۔ یاد رہے کہ صرف کپڑے کی صنعت سالانہ 12 ارب ڈالر، زرعی مصنوعات 2 ارب اور چمڑے کی مصنوعات 1 ارب ڈالر کی برآمدات کرتی ہیں، جو کل برآمدات کا 65 فی صد بنتی ہے۔

2۔ CPEC کی صورت میں 46 ارب ڈالر کا منصوبہ پاکستان پر درآمدات اور مہنگے قرض کی صورت میں ہونے کی وجہ سے بھاری ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ حکومت اس منصوبے کے بروئے کار آنے کے لیے لیبر، سیمنٹ، سٹیل اور دیگر ضروری اشیا کی رسد میں حصہ مانگے، تاکہ ملکی پیداوار اور روزگار میں اضافہ ہو۔

3۔ پاکستان میں پیدا ہونے والی بجلی' صارفین تک پہنچنے کے لیے نیشنل گرڈ کی محتاج ہے۔ بجلی کی پیداوار بہ ذریعہ پانی، سورج اور ہوا سے چھوٹے منصوبے بنا کر مقامی سطح پر تقسیم کرنے کی حکمت عملی سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے قوانین اور رولز میں تبدیلی کرنا ضروری ہے۔ اس عمل سے بجلی کی پیداوار کو Decentralize اور Deregulate کیا جا سکتا ہے۔ ایسے بجلی پیدا کرنے کا سارا بوجھ حکومت پر نہیں ہوگا اور پرائیویٹ سرمایہ کار، جو پہلے سے ہی مارکیٹ میں موجود ہیں، کام پر لگ جائیں گے۔ یوں نیشنل گرڈ، جو نصف صدی پرانا ہو چکا ہے، اس پر ہونے والا خرچ، جو قریباً 45 ارب ڈالر ہے، کم کیا جا سکے گا۔

4۔ ہاؤسنگ کے شعبے میں پرائیویٹ سیکٹر کو fix شرح پر قرضے دیے جائیں اور اس شرح کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائے، تاکہ اگلے 10 سال تک اس میں تبدیلی نہ کی جا سکے۔ پاکستان میں بینکوں کی جانب سے جاری کیے جانے والا قرض 18 کھرب ہے، جس میں ہاؤسنگ کا حصہ 83 ارب روپے ہے۔ پاکستان کی ترقی اور روزگار میں اضافے کے لیے اگلے پانچ سالوں میں اسے 300 ارب تک آنا ہوگا۔ اس مقصد کے لیے حکومت کو 80 ارب تک سبسڈی بینکوں کو دینی ہوگی، جو پانچ سالوں میں زیادہ نہیں، لیکن اس کا فائدہ بہت بڑا ہوگا۔ (بقیہ صفحہ 12 پر)

www.rahimia.org

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

یورپ کی مرکزی طاقتیں

دوسری عالمی جنگ نے جہاں ایشیا کو معاشی، سیاسی اور سماجی طور پر تباہ کیا تھا تو دوسری طرف یورپ جو اس ساری گیم میں مرکزی کردار کا حامل تھا، اس کا سماجی ڈھانچہ بھی ان تباہ کاریوں کے مہلک اثرات کی وجہ سے آج موت کی سسکیاں لے رہا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بہ قول: ''ماضی سے سبق بھی صرف وہی قوم سیکھ سکتی ہے، جس کے ہاں تاریخ اور فلسفۂ تاریخ کا باقاعدہ تصور موجود ہو۔'' دوسری جنگِ عظیم (جس کا اختتام 1945ء میں ہوا تھا) میں شامل یورپین طاقتوں نے مستقبل کی پیش بندی کرتے ہوئے جلد ہی روس کے خلاف طبلِ جنگ بجا دیا۔ ایک طویل جنگ کے نتیجے میں USSR یعنی یونین آف سوویت سوشلسٹ ریپبلکس المعروف سوویت یونین کی صدارت سے میخائل گورباچوف کے مستعفی ہونے کے بعد 25/دسمبر 1991ء کو یہ ملک تحلیل ہوگیا۔ اس کے بعد روس سمجھ گیا کہ جنگ مسئلے کا حل نہیں ہے اور نہ ہی یہ دیگر اقوام کے وسیع تر مفاد میں ہے۔ اس کے برعکس یورپ اور امریکا اپنے تئیں یہ سوچ بنا کر بیٹھے رہے کہ دنیا میں جنگ اور جنگی ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر دھاک بٹھا کر شاید دنیا کو جیتا جاسکتا ہے۔ مولانا سندھیؒ جنھوں نے پہلی جنگِ عظیم میں شامل ہوکر اس کے نتائج کا مشاہدہ کھلی آنکھوں سے کیا تھا، وہ بھانپ گئے کہ آئندہ دنیا کے مسائل کا حل کیا ہوسکتا ہے۔ انھوں نے یورپ کے ہی پہلو یعنی استنبول میں بیٹھ کر یورپ کی قیادت کو سرورا جیہ منشور کے ذریعے انسانیت کے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کا ایک خاکہ مرتب کر کے 15/ستمبر 1924ء کو باور کرانے کی کوشش کی کہ ان کے لیے ترقی کا کون سا ماڈل مفید ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ اپنے تجزیے کے ذریعے یہ بھی واضح کیا کہ ان کی ترقیات کے پیچھے کون کون سی تحریکات کارفرما رہی ہیں۔

یورپ نے 1951ء کے بعد اپنے سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل کے حل کا فہم حاصل کرنے کے لیے نصف صدی صَرف کردی، لیکن پھر بھی وہ اس کے مکمل ثمرات حاصل کرنے کے قابل نہ ہوسکا۔ کیوں کہ اس کے لیے جس ادراک کی ضرورت تھی، وہ آج بھی وہاں عنقا ہے۔ آج بھی وہ امریکا کی جلائی ہوئی آگ میں ایندھن جھونکنے کا سبب بنا ہوا ہے۔ یورپ والوں نے چوں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت ہی تمام تر ترقیات حاصل کی تھیں، اس لیے وہ ابھی تک اسی الجھن میں الجھے ہوئے ہیں، جب کہ اس کے مدمقابل دوسرا اقتصادی ماڈل یعنی چینی کیمونزم جو مارکسزم، لینن ازم اور ماؤزے تنگ کی سوچ اور اجتماعی دانش کو موروثی طور پر حاصل کر کے اسے ایک عمل، نظریے اور نظام کی شکل دے کر انتہائی تیزی سے کامیابی کی منازل طے کر رہا ہے (چین کی طرزِ حکمرانی)۔ یہ قوم اپنے عملی نظام کی حالیہ شکل تک پہنچنے کے لیے دنیا کے دیگر مفکرین سے بھی استفادہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایشیا ٹک فیڈریشن (سرورا جیہ نظام توافق ایشیائی) کا تصور جو مولانا سندھیؒ نے ایک صدی قبل پیش کیا تھا، آج ایشیائی قومیں اپنے معروضی حالات کے دباؤ کے تحت اسی طرف بڑھتی ہوئی نظر آرہی ہیں، جسے انھوں نے شنگھائی تعاون تنظیم کا نام دے رکھا ہے۔ اس تنظیم کے سیاسی پہلو کی ترجمانی کرنے والے گروپ کے سربراہ ولادی میر پیوٹن دنیا کی تشکیلِ نو میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا حالیہ ہدف مغربی یورپ کی ان مرکزی اور سیاسی طاقتوں کو امریکا کی سیاسی دھاک کے دباؤ سے نجات دلانا ہے۔ یورپ میں جو ممالک اساسی کردار کے حامل رہے ہیں، ان میں برطانیہ، فرانس، جرمنی اور اٹلی وغیرہ سرِفہرست شمار ہوتے ہیں۔

برطانیہ نے ایک بہت بڑی اجتماعیت سے اپنے آپ کو علاحدہ کرلیا۔ یہ سوچ کر کہ اس سے برطانیہ کو معاشی فائدوں کی نسبت نقصان زیادہ ہوا ہے۔ وہ یورپی یونین سے علاحدگی کے بعد آج یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ عوام میں بریگزٹ کے بارے میں کیا سوچ پائی جاتی ہے۔ دی ٹیلی گراف 16/اگست 2018ء کے مطابق ''دوسری جنگِ عظیم کے بعد برطانوی حکومت میں آج سب سے بڑا انتشار دیکھنے میں آیا ہے۔''

یورپ کا ایک اور اہم ملک فرانس، جس کے صدر ایمنوئیل میکرون نے روسی صدر پیوٹن کے ساتھ 17/جولائی 2018ء کو ایک مشترکہ پریس کانفرنس جوفن لینڈ کے دارالحکومت ہل سنکی میں ہوئی، دی اٹلانٹک (The Atlantic) کے مطابق اس کانفرنس میں عالمی مسائل، یوکرائن، شام کے صدر بشارالاسد کی حمایت، برطانیہ میں روسی ایجنٹ اور امریکی انتخابات میں مبینہ روسی مداخلت کے علاوہ امریکا کے ایرانی ایٹمی معاہدے سے روگردانی کرنے جیسے اقدامات کے بارے میں یکساں مؤقف اختیار کیا ہے۔

اسی طرح پیوٹن نے جرمنی کی چانسلر انجیلا مرکل (Angela Merkel) کے ساتھ بھی ایک مشترکہ پریس کانفرنس کی ہے۔ یہ کانفرنس برلن کے مضافاتی علاقے میزبرگ کے صدارتی محل میں 18/اگست 2018ء کو منعقد ہوئی۔ گزشتہ تین ماہ میں یہ دونوں سربراہان کی تیسری ملاقات تھی۔ اس کے بعد فنانشل ٹائمز 27/اگست 2018ء کی رپورٹ کے مطابق 25/اگست 2018ء بروز ہفتہ کو دونوں سربراہان کی ایک اور ملاقات ہوئی جس میں یوکرائن، شام، ایرانی جوہری ہتھیاروں کا معاہدہ جیسے عالمی مسائل کے حوالے سے مشترکہ لائحۂ عمل بھی سامنے آچکا ہے۔

مذکورہ واقعات سے ظاہر ہورہا ہے کہ روس نے امریکا کے سب سے بڑے اتحاد نیٹو اور یورپین یونین کی تحلیل کا جو بیڑہ اٹھا رکھا ہے، وہ تیزی سے کامیابی کے مراحل طے کر رہا ہے۔ وہ عالمی سیاسی تشکیلِ نو کا جو خواب لے کر نکلا تھا، آج اس کے واضح اثرات دکھائی دے رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں امریکا کا دنیا پر اجارہ داری کا تصور ملیا میٹ ہوجائے گا۔ قوموں کو تجارتی پابندیوں کے شکنجے سے نجات مل جائے گی۔ امریکا کا سارا معاشی اور سیاسی ڈھانچہ اپنی طبعی موت مرجائے گا۔ اس کے بعد شاید ایک نئے تمدن، جو انسانی مساوات، امن اور خوش حالی پر مبنی ہوگا، کا آغاز دنیا سے دہشت گردی، خوف و ہراس، گروہ بندیوں کے خاتمے کا سبب بن جائے۔

رپورٹ: نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

تاریخِ اسلام سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ

29 ستمبر 2017ء/ 8 محرم الحرام 1439ھ کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! دینِ اسلام کی کامل اور مکمل تعلیمات قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے محفوظ کر دی ہیں۔ ارشادِ باری ہے: ''ہم نے یہ نصیحت (قرآن حکیم) اُتاری ہے اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں۔'' (9:15) اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذمہ لیا ہے کہ دینِ اسلام کی جامعیت، اس کی کامل اور مکمل تعلیمات قیامت تک محفوظ رہیں گی۔ قرآن حکیم میں نہ لفظی طور پر کوئی تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے معنی اور مفہوم کے سمجھنے سمجھانے میں کوئی فرق آ سکتا ہے۔ لوگ اس میں تحریفات کرنے کی کوشش کریں گے، جیسا کہ ہر کتاب کے بارے میں یہ معاملہ رہا ہے کہ لوگوں نے ان کے خود ساختہ مطالب و مفاہیم بنائے، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے قیامت تک اُن تمام تحریفات و انحرافات کو دور کرنے کے لیے ایک مکمل نظام وضع کیا ہے۔

نبی اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ''میری اُمت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، یہاں تک کہ قیامت آ جائے۔'' (مشکوٰۃ) قیامت تک ایسے علمائے ربانیین اور رہنمایانِ قوم موجود رہیں گے، جو ہر طرح کی تاویلات، انحرافات اور بدعات کا مقابلہ کریں گے۔ اور دین کی صاف شفاف تعلیمات کو انسانیت کے سامنے واضح کریں گے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ دین بہ حیثیتِ مجموعی اپنے اصل بنیادی عقائد، نظامِ فکر و عمل، اپنے سیاسی، معاشی اور سماجی طور طریقوں سے سرے سے ہی منحرف ہو جائے۔

چناں چہ دینِ اسلام کی تعلیمات کے حوالے سے یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ:

(۱) ''وہ ایک مخصوص عرصے میں آ کر ختم ہو گیا، یا دین محض حضورؐ کی زندگی تک رہا۔''

(۲) کچھ لوگوں کا یہ تصور کر لینا کہ ''محض تیس سال اسلام رہا، اُس کے بعد ختم ہو گیا۔''

(۳) کچھ لوگوں کا یہ تصور کر لینا کہ ''مسلمانوں کی خلافتِ راشدہ کے اختتام پر دین کا معاملہ ختم ہو گیا۔ دین مغلوب ہو گیا۔ اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ فسق و فجور غالب آ گیا۔'' (۴) یا یہ سمجھ لینا کہ ''خلافتوں کا یہ سلسلہ منقطع ہونے اور خلافتِ راشدہ، خلافتِ بنواُمیہ، بنوعباس اور بنوعثمان کے خاتمے کے بعد اب دین مٹ گیا؟ یا دنیا میں دینِ اسلام کی تعلیمات اب برقرار نہیں رہیں۔'' قرآن حکیم کے ارشادات اور نبی اکرمؐ کی احادیث کے تناظر میں یہ تمام توہمات اور خود ساختہ تخیلات ہیں۔ ان کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔

ہاں! البتہ فتنے ضرور ظاہر ہوئے اور دینِ اسلام نبی اکرمؐ کی مبارک زندگی اور خلافتِ راشدہ کے زمانے میں جس اعلیٰ درجے پر تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس اعلیٰ معیار میں طبعی طور پر کمی آئی، لیکن یہ کہا جائے کہ دین اپنی اصل حالت میں ہی نہیں رہا، یا اُس کی تعلیمات ہی مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ یہ انتہائی غلط تصور ہے۔''

فتنوں کے بارے میں مزاحمت کا شعور

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''فتنہ ہے کیا؟ آزمائش اور انسانی دلوں کا امتحان۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کیا لوگ خیال کرتے ہیں یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے، چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔'' (2:29) نیز نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''میں فتنوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ بارش کی طرح تمھارے گھروں میں داخل ہو رہے ہیں۔'' (بخاری، حدیث نمبر 7060) اسی طرح فرمایا: ''فتنے دلوں پر ایسے آئیں گے جیسے تہہ بہ تہہ چٹائی کے پتے ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ پھر جس دل میں وہ فتنہ رچ جائے گا تو اس میں ایک کالا داغ پیدا ہو گا اور جو دل اس کو نہ مانے گا، اس میں ایک سفید نورانی دھبہ ہو گا۔ یہاں تک کہ اسی طرح کالے اور سفید دھبے ہوتے ہوتے دو قسم کے دل ہو جائیں گے: ایک تو خالص سفید چکنے پتھر کی طرح، جس کو فتنہ نقصان نہ پہنچائے گا، جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں۔ دوسرا کالا سفیدی مائل یا اوندھے کوزے کی طرح، جو نہ کسی اچھی بات کو اچھی سمجھے گا، نہ بُری بات کو بُری، مگر وہ جو اُس کے دل میں بیٹھ جائے۔'' (مسلم، حدیث نمبر 369)

دنیا میں رہتے ہوئے فتنے تو آئیں گے۔ فتنوں کی بارش برسے گی تو ہر ایک پر برسے گی۔ یہ فتنے انسانی دلوں کی آزمائش کے لیے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ایک انسان عزم و ہمت، عقل و شعور اور فہم و بصیرت کی بنیاد پر اُس فتنے کی مزاحمت کرے۔ اور مسلسل ان فتنوں کا مقابلہ کر کے اس حالت تک پہنچ جائے کہ فتنہ آئے بھی تو وہ اس پر اثر انداز نہ ہو۔ دل میں جذب ہونے کے بجائے پھسل کر نیچے چلا جائے۔ جیسا کہ چکنے پتھر پر جتنی بھی بارش برسے، کوئی بھی چیز اس پر بہائی جائے، وہ اس میں جذب نہیں ہوتی۔ جب کہ جس قلب پر فتنے کی بارش برسی، فتنہ آیا اور اُس فتنے کو اُس کے قلب نے قبول کر لیا، اس کا حصہ بن گیا تو وہ اُس پتھر کی طرح ہوتا ہے، جس میں مسام اور سوراخ ہوتے ہیں۔ اُس کے اندر پانی ڈالو تو وہ پتھر کے اندر جذب ہو جاتا ہے۔ اور عموماً وہ کالا پتھر ہوتا ہے۔ کالے پتھر کا کام ہے کہ وہ چیزوں کو جذب کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جتنا وہ دل فتنوں کو قبول کرتا چلا جاتا ہے، اُتنا ہی اُس کا دل کالا سیاہ ہو جاتا ہے۔ جیسے ہانڈی اُلٹی کرو تو اُس کا نچلا حصہ آگ کے مسلسل جلنے کی وجہ سے کالا سیاہ ہو جاتا ہے۔ اتنی سیاہی کہ کسی چیز سے اُترتی نہیں۔ ایسے ہی فتنوں کو قبول کرنے والا دل مسلسل اُن فتنوں کو قبول کرنے کے نتیجے میں اُلٹی کالی ہنڈی کے پیندے کی طرح کالا سیاہ ہو جاتا ہے۔

حدیثِ نبویؐ کے مطابق فتنے تو حضورؐ کے زمانے سے ہی شروع ہو گئے تھے اور اب تک رونما ہوتے چلے آ رہے ہیں، اس لیے حضورؐ نے اُن فتنوں کے مقابلے پر مزاحمت کا بھرپور شعور دیا ہے کہ فتنے کی قرار واقعی حیثیت کو سمجھنا، اُس کا آلہ کار اور حصہ نہ بننا، اُس کے مقاصد و اہداف کے مطابق کام نہ کرنا کامیابی و کامرانی کا سبب ہے۔''

www.rahimia.org

عقل وشعور کے ساتھ آزمائشوں سے گزر جانا اصل کمال ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''حضور اقدسؐ کے بعد سب سے پہلے شہادتِ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے لیے بہت بڑی آزمائش اور فتنہ بن کر سامنے آیا، کہ جو سوسائٹی کی اجتماعی طاقت کو توڑنے کے لیے برپا کیا گیا۔ اب چاہے شہادتِ حضرت عمرؓ ہو، حضرت عثمانؓ ہو، حضرت علیؓ ہو یا شہادتِ حضرات حسنؓ و حسینؓ ہو، یہ سارے واقعات ایک مسلمان جماعت کے لیے امتحان اور فتنے ہیں۔ ان کا شعوری تجزیہ کرتے ہوئے اجتماعیت کے ساتھ جڑے رہنا اور عقل وشعور کی بنیاد پر ان فتنوں پر سے گزر جانا اصل کمال ہے، لیکن اگر ایک مسلمان ان فتنوں سے غلط تأثر لے کر گروہیت اور فرقہ واریت پیدا کرے، سوسائٹی کی اجتماعیت کو توڑنے کی کوشش کرے، قتل و غارت گری، دہشت گردی اور بدامنی کو فروغ دینے پر آمادہ ہو جائے، ان کی بنیاد پر مار دھاڑ، سینے پیٹنا، شور شرابا مچانا، بستیوں اور ملکوں کو اُجاڑنا شروع کر دے تو یہ گویا اپنے دلوں میں ان فتنوں کو جگہ دینا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کہا جائے کہ بہترین خلافت اور حکومت کا دروازہ بند ہو گیا اور دین کا سلسلہ رُک گیا، یا حضرات امام حسنؓ و حسینؓ کی شہادت پر کہا جائے کہ دین اب نہیں رہا؟ اب ساری عمر کے لیے رونا پیٹنا شروع کر دو؟ نہیں! یہ تو گویا ان فتنوں کا اثر قبول کرنا ہے۔ اصل بات دین کے اجتماعی نظام کا قیام ہے۔ فتنے اور امتحانات آتے رہتے ہیں۔ اُن امتحانات میں صحیح رائے قائم کرنا ضروری ہے۔ صحیح رائے وہ ہے، جو ہمارے بزرگوں اور سچے علمائے حق کی تسلسل کے ساتھ چودہ سو سال تک قائم رہی ہے کہ نبی اکرمؐ اور آپؐ کے بعد آپؐ کی جماعتِ صحابہؓ، جماعتِ تابعینؒ، تبع تابعینؒ، علمائے ربانیینؒ، ائمہ محدثینؒ، فقہائے مجتہدینؒ اور صوفیائے عظامؒ کی اُس اجتماعیت کے ساتھ وابستہ رہا جائے، جس نے اپنی اجتماعی طاقت سے پیش آمدہ فتنوں کا مقابلہ کر کے دین کو محفوظ رکھا ہے۔

فرد کے بجائے اجتماعیت کی بنیاد پر معاملات کا تجزیہ کرنا ایک صحت مند معاشرے کی علامت ہوا کرتی ہے۔ وہ فرد حضرت عمرؓ ہوں یا حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ ہوں یا حضرت امیر معاویہؓ، محض ایک فرد کی بنیاد پر پورا تانا بانا بنا لینا' دینِ اسلام کی انفرادی تعبیر ہے۔ اس کا اجتماعیت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہی انفرادیت فرقہ واریت پیدا کرتی ہے۔ فرد سے حد سے بڑھی ہوئی یہی محبت غلو پیدا کرتی اور فتنوں کا باعث بنتی ہے۔ اصل بات حضورؐ کا ارشاد ہے کہ: ''ما أنا علیه و أصحابی.'' (ترمذی، حدیث 2641) (وہ اجتماعیت اصل ہے، جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔) ہاں! شخصیات کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعیت میں کسی ایک غیر معمولی شخصیت کا اپنا امتیازی کردار یا خاص رائے ہے، جس پر اُس نے عزم و ہمت کے ساتھ ایک فیصلہ لیا اور اُس پر قائم رہی۔ اس کا مطب یہ ہرگز نہیں ہے کہ باقی پوری اجتماعیت کا انکار کر کے محض اُس ایک شخصیت کو سامنے رکھا جائے۔''

اسلام کے اجتماعی نظامِ فکر و عمل کو سمجھنے کی ضرورت و اہمیت

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ دین بارہ خلفا کی خلافت تک ہمیشہ طاقت ور، کفر وظلم کو روکنے والا اور غالب رہے گا۔'' (مسلم، حدیث نمبر 4710) حدیثِ نبویؐ کے مطابق اگر بارہ خلفا تک دین غالب رہا تو حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ یا حضرت امام حسینؓ کی شہادت پر دین مٹ کیسے گیا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین قائم رہا، اُس کی اجتماعیت بھی برقرار رہی اور خلفائے راشدینؓ کے بعد بھی آج تک دین کا تسلسل قائم ہے۔

اس لیے ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ شہادتِ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، یا شہادتِ امام حسینؓ کے اس نازک موضوع کا تعلق فتنوں اور دلوں کی آزمائش سے ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سا دل ہے، جو ان فتنوں کو صحیح قرار واقعی طور پر سمجھ کر دین کے غلبے کا نظریہ رکھتا ہے۔ اور آج کے سامراج کے مقابلے میں دین کی اس اجتماعی طاقت اور قوت کو، جو صحابہؓ کے تسلسل سے، بنو اُمیہ کی سو سالہ غلبے کی طاقت، بنو عباس کی چھ سو سالہ طاقت اور بنو عثمان کی پانچ چھ سو سالہ طاقت اور قوت کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے دین کے غلبے کا نظریہ رکھتا ہے۔ اور کون سا دل ہے جو اس میں سے فتنہ تلاش کر کے دین کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کالا سیاہ کالی ہانڈی کی طرح بننا چاہتا ہے۔

فتنوں کو قبول کرنے والے دلوں کی سیاہی ہی ہے، جو آج سیاہ رات کی طرح مسلمان معاشروں پر چھاتی جا رہی ہے کہ ان فتنوں سے غلط تأثر قبول کر کے دین کو بہ طورِ نظام کے پیش کرنے کے بجائے فرقہ وارانہ بنیادوں پر دین کو پیش کیا جاتا ہے۔ گروہیت، دہشت گردی، قتل و غارت گری، لڑائی جھگڑے اور بدعملی کی بنیاد پر دین کو فروغ دینے کے لیے کام کیا جاتا ہے۔

آج کے دور میں جب سے مسلمان مغلوب ہوئے ہیں اور خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا ہے، عالمی سامراجی طاغوتی قوتوں کا دنیا پر تسلط ہو گیا ہے۔ اُن کی سب سے بڑی کوشش یہی ہے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں۔ اختلافی امور کو ابھارا جائے۔ مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو توڑا جائے۔ فرقے بنائے جائیں۔ جھگڑے کھڑے کیے جائیں۔ لڑائیاں پیدا کی جائیں۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جائے۔ مسلمانوں کے اجتماعی نظامِ فکر و عمل کی طرف نوجوان نسل کو متوجہ ہونے سے روکا جائے۔ چناں چہ فرقہ واریت کا زہر پچھلے سوڈیڑھ سو سال میں اس برعظیم پاک و ہند میں بالخصوص اور دنیا بھر میں عالمی سامراج نے اپنے مفادات کے لیے فروغ دیا۔ دینِ اسلام کی تعلیمات کو گہنانے کے لیے تاریخ کو مسخ کرنے، تاریخی واقعات سے مطلب کے عقائد اور خیالات نکالنے، جزوی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر یا انفرادی طور پر شخصیات کو سامنے رکھ کر انتشار پیدا کرنے کا عمل ہماری سوسائٹی میں برپا کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل وشعور نصیب فرمائے اور ان واقعات، فتنوں اور آزمائشوں میں صحیح شعور کے ساتھ اجتماعیت کی بنیاد پر درست رائے قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)''

www.rahimia.org

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت مولانا عزیر گل کاکاخیلؒ

ہندوستان کی کامل آزادی کے حصول کے لیے ولی اللّٰہی اکابرین نے انتہائی مستقل مزاجی سے اپنی جدوجہد کو جاری رکھا۔ صوبہ خیبر پختون خوا میں بدیسی حکمرانوں سے آزادی کے حصول کی جدوجہد کا سلسلہ ''سیدو بابا'' حضرت اخوند عبدالغفورؒ، حضرت نجم الدین ہڈے مُلّاؒ اور حاجی صاحب ترنگ زئیؒ کی بدولت شروع ہوا۔ بعد کے دور میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے رفیقِ خاص اور تحریکِ ریشمی رومال کے رازدار حضرت مولانا عزیر گلؒ بھی اسی قافلے کے شریک ہیں۔

مولانا موصوفؒ نوشہرہ کے قریب ایک گاؤں ''زیارت کاکا صاحب'' میں علاقے کے معروف عالمِ دین مولانا شاہد گلؒ کے گھر 1886ء میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں اس علاقے کے ایک بڑے بزرگ ''شیخ رحمت کاکا صاحب'' سے منسوب ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے ہی حاصل کی۔ اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند ایک اعلیٰ اور معیاری تعلیم گاہ کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس لیے دینی تعلیم کے حصول کے لیے زیادہ تر لوگ اسی دارالعلوم کو ترجیح دیتے تھے۔ لہٰذا 1906ء میں درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کی جانب رختِ سفر باندھا۔

دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران ہی مولانا عزیر گلؒ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی زیارت ہوتی ہے۔ مولاناؒ کو حضرت شیخ الہندؒ سے طبعی مناسبت اور محبت پیدا ہوگئی تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی کمال شفقت کا اظہار فرمایا اور انھیں اپنی کفالت میں لے لیا۔ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ اور امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ساتھ بھی مولانا عزیر گلؒ کا دوستانہ اور بے تکلفی کا ساتھ تھا۔

حضرت مولانا عزیز گلؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے خادمِ خاص تھے۔ ابتدا ہی سے حضرت شیخ الہندؒ کے سیاسی مشن میں ان کے ساتھ رہے۔ تحریکِ شیخ الہندؒ میں انھوں نے سرحدی اور قبائلی علاقوں میں سفارت کاری کے فرائض انجام دیے۔ حضرت شیخ الہندؒ انھیں اپنا قاصد بنا کر مختلف علاقوں میں پیغام رسانی کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ اکثر راتوں کو جنگلوں اور بیابانوں کا سفر اختیار کرتے اور مجاہدین کے علاقوں میں علمائے کرام اور سردارانِ علاقہ کو حضرت شیخ الہندؒ کے مشن پر مبنی پیغامات پہنچاتے۔ خود حضرت شیخ الہندؒ کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ انھیں اپنے گھر کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ ''تحریکِ ریشمی رومال'' میں مولاناؒ کی حیثیت خزانچی کی تھی۔ وہ ہندوستان کے مخیّر مسلمانوں سے ملنے والی رقوم اور سامان قبائلی مجاہدین کو پہنچاتے تھے، تاکہ دشمن کے خلاف مزاحمتی جدوجہد جاری رہ سکے۔

1910ء میں جب حضرت نجم الدین ہڈے مُلّاؒ کے کچھ متعلقین دیوبند آئے تو مولانا عزیر گلؒ نے حضرت شیخ الہندؒ سے ان کی خصوصی ملاقاتوں کا اہتمام فرمایا۔

1914ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد مولاناؒ نے اپنی پوری زندگی حضرت شیخ الہندؒ کے مشن کو پورا کرنے میں وقف کردی۔

مولانا عزیز گلؒ کی جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ جب 1915ء میں حضرت شیخ الہندؒ تحریکِ ریشمی رومال کے سلسلے میں حجاز تشریف لے جارہے تھے تو وہ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے خدمت گار کے طور پر ساتھ روانہ ہوئے۔ 1916ء میں ریشمی رومال تحریک سے متعلق خطوط انگریزوں پر افشا ہوئے تو انگریزوں نے ان حضرات کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارنا شروع کردیے۔ برطانوی حکومت نے شریفِ مکہ حسین کو مجبور کیا کہ وہ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے ان کے حوالے کرے۔ چناں چہ 1916ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو ساتھیوں سمیت حریت پسندی اور جدوجہدِ آزادی کی پاداش میں گرفتار کیا گیا۔ اور قاہرہ کے راستے جزیرۂ مالٹا میں خطرناک قیدیوں کی حیثیت سے قید کرلیا گیا۔ مالٹا میں قید کے دوران مولانا عزیر گلؒ کی اہلیہ محترمہ وفات پاگئیں تو واپسی پر حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی بھانجی ان کے نکاح میں دے دی۔ ان کے انتقال کے بعد مولاناؒ نے جانشینِ شیخ الہند حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے حکم پر برطانیہ کی رائل فیملی کی ایک انگریز نومسلم خاتون سے نکاح کیا۔

تحریکِ خلافت کے دوران خلافت کمیٹیاں قائم کی گئیں تو مولانا عزیر گلؒ دیوبند کی خلافت کمیٹی کے صدر کے طور پر امور سرانجام دیتے رہے۔ بعد میں مدرسہ رحمانیہ شہر رُڑکی ضلع سہارن پور کے صدر مدرّس کے طور پر بھی اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا عزیر گلؒ نے تمام سیاسی امور سے علاحدگی اختیار کرلی اور مردان کے قریب اپنے گاؤں میاں گانو کلے (سیری، سخاکوٹ) میں رہنے لگے۔ پاکستان اور ہندوستان کے بڑے بڑے مدارس کی طرف سے مولاناؒ کو درس و تدریس کی دعوت دی گئی، لیکن انھوں نے کسی کو قبول نہ فرمایا۔ اور بقیہ تمام زندگی حضرت شیخ الہندؒ کی تالیفات اور ترجمہ قرآن کے مطالعے میں گزار دی۔ آپ کی آخری زندگی اس شعر کا مصداق بن گئی ؎

ما ہرچہ خواندیم فراموش کردہ ایم
اِلّا حدیثِ یار کہ تکرار مے کنیم
(ہم نے جو کچھ پڑھا، اسے فراموش کرچکے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ہم یار کی باتوں کا بار بار تذکرہ کرتے رہیں۔)

حضرت مولانا عزیر گلؒ نے اپنی تمام زندگی صرف دینِ اسلام کی سربلندی اور جہاد میں گزار دی۔ آبائی زمینیں اس میں صَرف کردیں۔ وفات کے وقت کچا مکان تھا، وہ بھی جگہ جگہ سے بوسیدہ۔ مولاناؒ چاہتے تو دولت کے انبار اکٹھے کرلیتے، لیکن مؤمن کی طرح فقر و فاقہ کو اختیار کیا، تاکہ قیامت کے دن انعاماتِ خداوندی کے مستحق بن جائیں۔

حضرت مولانا عزیر گلؒ نے 105 سال کی عمر میں 16 نومبر 1989ء بروز جمعرات کو وفات پائی۔ ان کی تدفین سخاکوٹ مردان میں عمل میں لائی گئی۔ ؎

جو رُکے تو کوہِ گراں تھے ہم، جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

www.rahimia.org

فکرِ سعید

مرسلہ: ساجد علی، مانسہرہ

افادات وملفوظات
حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

(18/ جولائی 2010ء کو حضرت قدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں مرکزی سیمینار کی اختتامی نشست میں خطاب فرمایا۔ اس خطاب کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:)

حضرت اقدسؒ نے فرمایا: میرے دوستو!

دینی تعلیم کے شعبے: دینی تعلیم کے دو بنیادی شعبے ہیں:

1۔ تعلق مع اللہ 2۔ معاشرے میں عدل وانصاف کا قیام

انبیا علیہم السلام کا اُسوہ: حضرات انبیا علیہم السلام کا اُسوہ یہ ہے کہ معاشرے سے ظلم مٹایا جائے اور عدل وانصاف کا نظام قائم کیا جائے۔ اور یہ کام اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی پیاری جماعت (جماعتِ انبیاؑ و جماعتِ صحابہؓ) سے لیتا ہے۔ ہر نبی نے اپنی قوم کی سیاست ورہنمائی کی ہے اور معاشرے سے ظلم مٹایا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں ظلم کی سیاست اور انفرادیت کی سوچ موجود ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آج اسوۂ انبیاؑ زندہ کر کے معاشرے کو ظلم سے نجات دلائی جائے۔

دینی سیاست کی حقیقت: تمام انبیاؑ دینی سیاست کرتے تھے اور دینی سیاست سے مراد یہ ہے کہ: 1۔ معاشرے میں امن لانا اور ظلم مٹانا۔ 2۔ معاشرے میں خوش حالی پیدا کرنا اور 3۔ سوسائٹی میں اعلیٰ اَخلاق پیدا کرنا۔

موجودہ مذہبی جماعتوں کی ناکامی کے اسباب:

موجودہ مذہبی جماعتوں کی ناکامی کی وجوہات یہ ہیں: 1۔ محض رسمی اصلاح کا نظریہ رکھنا، 2۔ دینی سیاست کا انکار کرنا، 3۔ مذہبی جماعتوں کا مروّجہ (مفاد پرستانہ) سیاست کا اتباع کرنا، 4۔ اسوۂ انبیاؑ واُسوۂ صحابہؓ سے غفلت برتنا۔

جماعتِ حقہ کی پہچان: جماعتِ حقہ وہ ہے جو 1۔ نبی اکرمؐ اور جماعتِ صحابہؓ کے نظریے پر عمل کرے۔ 2۔ نظامِ ظلم اور بالادست سرمایہ داروں کی مخالفت کرے۔ (اور اس کے خلاف جماعتِ صحابہؓ کے طرزِ عمل کے مطابق جدوجہد کرے۔)

شریعت (دینِ اسلام) کے عملی نتائج کا طریقۂ کار اور اس کا مقصود:

شریعت کے نتائج صرف (دین کے) غلبے کی صورت میں نکلیں گے۔ جو ایک تربیت یافتہ جماعت ہی کی بدولت ممکن ہوگا۔ دینِ اسلام کا مقصد صرف مسلمانوں کی اصلاح (امن وخوش حالی) نہیں ہے، بلکہ اس کے پیشِ نظر کل انسانیت کی فلاح (سیاسی، معاشی و اَخلاقی) وخوش حالی مقصود ہے۔

ولی اللّٰہی تحریک کی حقیقت: ولی اللّٰہی تحریک شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت پر مبنی ہے۔ زوال کے دور میں "ما أنا عليه و أصحابي." (ترمذی، حدیث 2641) (وہ طریقۂ کار، جسے میں نے اور میرے صحابہؓ نے اختیار کیا۔) کے طرزِ عمل والی جماعت کو تلاش کرنا چاہیے۔ اور اسلام کا مقصد مسلمانوں کی ایسی جماعت پیدا کرنا ہے کہ انسانیت سے ظلم مٹائے اور عدل قائم کرے، نہ کہ محض (صرف) مسلمانوں کے لیے کام کرے۔

اُمت کے لیے نقصان دہ عناصر (حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں):

حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ اُمت کے لیے یہ تین عناصر نہایت نقصان دہ ہیں:

1۔ دنیادار پیر 2۔ فاسق حکمران 3۔ علمائے سُو

نُصرتِ الٰہی کی سبیل اور دینی نظام کا قیام: اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت، دنیا کا نظام بہتر کرنے والی جماعت کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ دنیا میں عذاب محض عقیدے (کی خرابی) کی بنیاد پر نہیں آتا، بلکہ ظلم کی وَجہ سے آتا ہے۔

دینی نظام کا قیام صرف جماعتِ حقہ اور علمائے ربانیین کی حمایت کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔ (اور اسی جماعت کو اللہ کی تائید ونُصرت حاصل ہوتی ہے۔)

عہدِ حاضر میں ولی اللّٰہی جماعت سے وابستگی کے تقاضے:

آج ہمارے لیے یہ سعادت ہے کہ ہم ایسی دین کی پہچان رکھنے والی سچی جماعت (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کے متبعین کی جماعت) سے وابستہ ہیں۔ آج نوجوانوں کو علمائے حق سے جوڑنا ہماری ذمہ داری ہے، جب کہ آج کا پروپیگنڈا یہ ہے کہ نام نہاد مذہبی جماعتوں کے ذریعے اس جماعتِ حقہ کا تعارف ختم کیا جائے۔ اس لیے اسلام کے نام پر بننے والی جماعتوں کو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر سے دور رکھا جارہا ہے۔

حقیقی دینی جماعت میں سب سے نمایاں کام دینی سیاست ہے اور یہ دینی نظام ہی کا اعجاز تھا کہ ہندوستان کے کثیر المذہبی خطے کے لوگوں کو آٹھ سو سال تک مطمئن رکھا اور انھیں عدل وانصاف فراہم کیا۔

کمیونزم کی ناکامی کا سبب؛ مذہب دشمنی: کمیونزم کی ناکامی کا سبب یہ تھا کہ ان کی لڑائی تو ظالم سے تھی، لیکن وہ (لاٹھی لے کر) خدا کے پیچھے پڑ گئے۔

شیخ الہندؒ کا فکر وعمل: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی سوچ اور عمل یہ تھا کہ:

1۔ خطے کی تمام (سامراج دشمن) قوموں کو ساتھ ملانا۔

2۔ گریجویٹس سے نفرت کے بجائے انھیں دین کا دست وبازو بنایا جائے۔

دین کا مقصد: دینِ اسلام یہ چاہتا ہے کہ:

1۔ معاشرے میں معاشی خوش حالی وامن پیدا کیا جائے اور طبقات کا خاتمہ کیا جائے۔ 2۔ تمام بداَخلاقیوں کی جڑ معاشی بدحالی کا خاتمہ کیا جائے۔

اسی نظامِ ظلم اور معاشی بدحالی کی وَجہ سے آج اَخلاق کا جنازہ نکل چکا ہے۔ ہماری سعادت یہ ہے کہ آج اسی دینِ حق کی نمائندہ اور اُسوۂ پیغمبریؐ پر کاربند جماعت سے وابستہ رہیں۔

اللہ ربُّ العزت سے دعا: 1۔ علمائے حق سے سچی وابستگی عطا فرمائے۔ 2۔ ان (علمائے حق) کے کردار پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

www.rahimia.org

تبصرۂ کتب | تبصرہ نگار: رانا عبدالجبار، بھیرہ

التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد

''برصغیر میں تجدیدِ دین کی تاریخ''

مصنف: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ - مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

ناشر: رحیمیہ مطبوعات، رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

صفحات: 752۔ فون نمبر 042-36307714

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی یہ کتاب مجددینِ اُمت کے تاریخی تسلسل اور اُن کے تجدیدی اور انقلابی کردار پر مشتمل ہے۔ تیرہ سو سالہ مسلم عہد کو بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ کتاب کی تفصیل سے قاری کے ذہن میں فکرِ ولی اللہ کی تفہیم پیدا ہوتی ہے۔ عصری دور میں تجدیدِ دین کا بوداپن بھی آشکار ہوتا ہے۔ مختصر تعارف یہ ہے کہ دین کے کام کرنے والوں کو جس قدر حکمت، حوصلہ، صبر اور جرأت کی ضرورت ہے، وہ اس کتاب سے حاصل ہوسکتی ہے۔ راہِ عزیمت کے مجاہدین کے لیے اس کتاب کو اپنے مطالعے میں رکھنا چاہیے، تاکہ انقلابی اور تجدیدی جدوجہد میں نکھار پیدا کیا جاسکے۔ کتاب کو مضبوط جلد کے ساتھ نفاست سے شائع کیا گیا ہے۔

(ماہنامہ شمس الاسلام، بھیرہ، سرگودھا، شمارہ نمبر 8، جلد نمبر 91، اگست 2017ء/ ذوقعدہ ۱۴۳۸ھ)

بقیہ ملکی معیشت

5۔ حال ہی میں پاکستان اور چین کے درمیان چینی کرنسی یوآن اور پاکستانی روپے میں تجارت کا معاہدہ ہوا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اب اسے بڑھایا جائے۔ اس مقصد کے لیے تاجروں کو خصوصی سہولتیں فراہم کی جائیں، جن میں ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی میں چھوٹ، ترغیبی حکمتِ عملی کے طور پر متعارف کروائی جائے۔ پاکستان کے ساتھ تجارتی ممالک کا جائزہ لیں تو ان میں سعودی عرب، افغانستان، عرب امارات، بھارت اور ایران کے ساتھ بالخصوص مقامی کرنسیوں میں تجارت کے معاہدے پاکستان کو سالانہ 4 ارب ڈالر تک زرِ مبادلہ کی بچت کا سامان فراہم کرسکتے ہیں۔ اس عمل سے پاکستانی کرنسی کو مستحکم کیا جاسکتا ہے۔

6۔ کہنے کو تو پاکستان کی سیاحتی صنعت کا سالانہ حجم 3 ارب ڈالر کے لگ بھگ ہے، لیکن ان میں سے صرف 1 ارب ڈالر ہی پاکستان میں پہنچ پاتے ہیں۔ خطے میں موجود دیگر ممالک، جیسے بھارت اور سری لنکا اپنے حجم کے لحاظ سے پاکستان سے کہیں زیادہ زرِ مبادلہ کماتے ہیں، بھارت صرف میڈیکل اور ٹورازم کے شعبے میں 3 ارب ڈالر سالانہ وصول کرتا ہے۔ پاکستان اپنے تاریخی ورثے اور خوب صورت ترین شمالی علاقہ جات کی بنیاد پر ایک بڑی معاشی سرگرمی کا آغاز کرسکتا ہے۔ چناں چہ اس شعبے کی بدولت امن، علاقائی خوش حالی، خواندگی اور سب سے اہم صحت اور تعلیمی سرگرمیوں میں معاونت بھی مل سکتی ہے۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال آج کل جانوروں کو افزائش کے لیے حصے پر دینے کا رواج ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی جانور خرید کر دوسرے شخص کو مقررہ مدت تک پالنے کے لیے حصے پر دیتا ہے۔ اور اس مدت کے دوران جانور پر کھل، چوکر، تیل، دوائی، خوراک اور رہائش کے اخراجات آتے ہیں۔ بسا اوقات جانور کی ہلاکت طبعی موت سے ہوجاتی ہے، اور کبھی کبھار جانور چوری ہوجاتا ہے۔ اسی طرح مقررہ مدت کے پورا ہونے پر جانور کے منافع تقسیم کرنے ہوتے ہیں۔ کبھی جانور کا مالک جانور کی قیمتِ خرید اور آدھا منافع وصول کرکے دوسرے شخص کو جانور کا مالک بنا دیتا ہے، تو کبھی جانور کو بیچ کر قیمتِ خرید کے علاوہ منافع آدھا آدھا تقسیم کرلیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح جانور حصے پر دینا جائز ہے یا ناجائز؟ جانور پر خرچ کی ذمہ داری کس کی ہوگی؟ جانور کی ہلاکت کی صورت میں نقصان کا ذمہ دار کون ہوگا؟ نیز جانور فروخت کرنے کے بعد تقسیم منافع کی صورت کیا ہوگی؟ سائل: راؤ یاسر علی، لاہور

جواب ۱) جانوروں کا افزائش کے لیے حصے پر دینے کا مروّجہ طریقہ کار غلط ہے، اور شرعاً فاسد معاملہ ہے جو ناجائز ہے۔ اس سے احتراز لازم ہے

۲) اگر ایسا غلط معاملہ کرلیا گیا تو جانور کا چارہ وعلاج معالجہ کے تمام اخراجات مالک کے ذمہ ہوں گے، اور سنبھالنے کی اجرت مروّجہ رواج کے مطابق مالک کو دینا ہوگی، جب کہ خود جانور اور ان سے پیدا شدہ نسل مالک کی ہوگی۔

۳) البتہ مروّجہ صورت میں ایک طریقے سے یہ معاملہ جائز ہوسکتا ہے کہ جانور کا مالک اجیر (سنبھالنے والے مزدور کو) اس کا نصف فروخت کرکے اس کی قیمت سنبھالنے اور چارہ وغیرہ کے عوض معاف کردے، تو اب یہ جانور اور اس سے افزائش نسل سب میں دونوں (مالک اور اجیر) نصف ونصف میں شریک ہوں گے۔

۴) دونوں صورتوں میں اگر جانور اس دوران طبعی موت سے یا ناگہانی آفت سے ہلاک ہوگیا یا باوجود حفاظت چوری ہوگیا، تو سنبھالنے والا مالک کے لیے کل/ نصف قیمت کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

سوال ایک لڑکی نے عدالت سے خلع کی درخواست دے کر طلاق حاصل کی ہے۔ اس کی عدت 90 دن ہوتی ہے۔ ابھی 80 دن گزرے ہیں۔ تین حیض واقع ہوچکے ہیں۔ آیا ان تین حیض کے بعد اب 90 دن سے پہلے نکاح کیا جاسکتا ہے؟

سائل: محمد بخش ولد محمد علی، چشتیاں

جواب خلع کے فیصلے کے بعد واقعتاً اگر عورت کو 3 حیض آچکے ہیں تو اس کی عدت مکمل ہوگئی۔ اس کا دوسری جگہ نکاح کیا جاسکتا ہے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔